احمدی

مسلمان ہیں

جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ کا فیصلہ (ترجمہ)

www.aaiil.org

باجلاس سپریم کورٹ جنوبی افریقہ

صوبائی قسمت راس امید

مقدمہ نمبر 10058/82 **تاریخ** 20.11.1985

مابین

احمدیہ انجمن اسلام لاہور۔ (جنوبی افریقہ) ۔ مدعیان
اسمٰعیل پیک
اور مسلم جوڈیشل کونسل و دیگران ۔ مدعا علیہان

ولیم سن جج

اس مقدمے میں ابتداءً دو مدعی تھے۔ پہلے کا نام احمدیہ انجمن اسلام لاہور (جنوبی افریقہ) جو مسلمانوں کی ایک رضاکار تنظیم ہے جسے ایک لکھے ہوئے آئین کے مطابق قائم کیا گیا ہے اور جس کے ممبران عام طور پر احمدی کہلاتے ہیں۔ دوسرے مدعی کا نام اسمٰعیل پیک ہے جو پہلی مدعی تنظیم کا ممبر ہے۔ اس نے مقدمہ اپنی ذاتی حیثیت سے اور بحیثیت اس تنظیم کے ممبر ہونے کے دائر کیا ہے۔

مدعا علیہم کے نام یہ ہیں۔ نمبر 1 :۔ مسلم جوڈیشل کونسل (کیپ ٹاؤن) جو بعض شیخوں، اماموں، اور مولویوں کی رضاکار تنظیم ہے۔ نمبر 2 :۔ ایک مسجد کے متولی جو کیپ ٹاؤن کے لونگ اور ڈورپ سٹریٹس کے کونہ پر واقع ہے۔ اور جس کا میں بعد میں مسجد کے لفظ سے ذکر کروں گا۔

نمبر3 وائی گیکراں قبرستان ۔ اتھلون کیپ ٹاؤن کے ملائی حصہ کے متولیان ۔

مختصراً مدعیان کی بناء دعوای یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد بعض اساسی عقیدوں اور اصولوں پر رکھی گئی ہے کہ مدعیان ان اساسی عقیدوں اور اصولوں کو مانتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ تمام مساجد اللہ کے لئے وقف ہیں کہ ہر مسلمان کو بلا لحاظ فرقہ و تحریک یہ حق ہے کہ وہ کسی بھی مسجد میں خواہ وہ کہیں بھی ہو ۔ نماز اور دیگر مذہبی ارکان کی ادائیگی کے لئے داخل ہو سکے اور یہ کہ مدعا علیہ 1 نے بعض جھوٹا اور اہانت آمیز مواد مدعیان کے متعلق شائع کیا یعنی یہ کہ تمام احمدی غیر مسلم ہیں ۔ مرتد ہیں ۔ کافر ہیں اور اس لئے انہیں تمام مسجدوں میں داخلے سے روکنا چاہیئے اور انہیں اپنے مردوں کو کسی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا حق بھی نہیں دینا چاہیئے ۔

مدعا علیہ نمبر 2 کے خلاف مدعیان کا دعوای ہے کہ اس نے درخواستوں کے باوجود پہلے مدعی کے ممبروں کو اور دوسرے مدعی کو ان کا مسجد میں داخلے کا حق دینے سے ناجائز طور پر انکار کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ان شرائط کے خلاف ہے جو ایک دستاویز انتقال اراضی مرقومہ 11 فروری 1881ء کے ضمیمہ میں درج ہیں ۔

مدعا علیہ نمبر 3 کے خلاف مدعیان کا دعوای ہے کہ اس نے پہلے مدعی کے ممبران کے وائی گیکراں قبرستان کے ملائی حصہ میں اپنے مردے دفن کرنے کے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے یہ قبرستان بموجب دستاویز مرقومہ 18 دسمبر 1908ء سرکاری عطیہ ہے ۔ یہ دعوای کیا گیا ہے کہ یہ انکار اس عطیہ کی صریح شرائط کے خلاف ہے ۔

مندرجہ بالا حقائق کی بنیاد پر مدعیان نے استدعا کی ہے کہ :-

ا ۔ تینوں مدعا علیہم کے خلاف ۔ حکم کہ پہلے مدعی کے ممبران اور مدعی نمبر 2 مسلمان ہیں لہٰذا وہ مسلمانوں سے متعلقہ تمام حقوق اور مراعات کا حق رکھتے ہیں ۔

ب ۔ پہلے مدعا علیہ کے خلاف ۔ اہانت آمیز مواد جس کے متعلق شکایت کی گئی ہے اس کو پھیلانے شائع کرنے اور دیگر طریقوں سے پروپیگنڈہ کرنے سے روکنے کا حکم ۔

ج :۔ دوسرے مدعا علیہ کے خلاف ۔ اجراء حکم کہ پہلے مدعی کے ممبران اور دوسرا مدعی "مسجد" میں داخلے کا حق رکھتے ہیں۔ اور

د :۔ تیسرے مدعا علیہ کے خلاف ۔ اجراء حکم کہ پہلے مدعی کے ممبران اور دوسرے مدعی کو قبرستان میں تدفین کے وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو تمام مسلمانوں کو ہیں۔

مقدمہ کے شروع کے ایک مرحلہ پر مدعا علیہم نے ان کے خلاف مدعی نمبر 1 کے دعوے کی اس بنا پر مخالفت کی کہ اسے ایسے دعووں میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ یہ اعتراض تسلیم کیا گیا اور جہاں تک پہلے مدعی کا تعلق ہے دعوے کی تفصیلات خارج کر دی گئیں۔ اس کے بعد مدعی نمبر 2 نے اکیلے ہی مقدمہ جاری رکھا۔ مزید برآں ایک شروع کے مرحلہ پر مدعا علیہم نے اس بات کا نوٹس دیا کہ مقدمہ کی حیثیت سے قطع نظر اور عدالت کے قاعدہ (4) 33 کے مطابق وہ سماعت کے دوران اس بات کی استدعا کرینگے کہ شروع میں ہی بعض قانونی نکات کا فیصلہ ہو جائے اور ایسا فیصلہ ہونے تک مقدمہ کی تمام کارروائی رک دی جائے ۔ ایک سوال اس طرح سے اٹھایا گیا۔

"... آیا عدالت کیلئے مناسب ہے یا نہیں کہ وہ اس جھگڑے کو کہ احمدی مسلمان ہیں کہ نہیں اسکی نوعیت کے اعتبار سے سماعت سے انکار کر دے۔ ..."

چنانچہ جب مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی گواہ پیش نہیں کئے گئے۔ صرف اٹھائے گئے سوال پر قانونی بحث ہوتی رہی۔ جج برمن نے 24 جولائی 1985 کو فیصلہ سنایا۔ فاضل جج نے فیصلہ میں کہا:-

"پیکیر نے استدعا کی ہے کہ تینوں مدعا علیہم کے خلاف ایک حکم جاری کیا جائے کہ مدعی مسلمان ہے اور اس لئے مسلمانوں سے متعلقہ تمام حقوق اور مراعات کا حقدار ہے اس نے اس استدعا کی بنیاد سپریم کورٹ ایکٹ نمبر 59/1959 کی دفعہ 19 (ز) (و) (ز) (ز) م پر رکھی ہے جس کی رو سے عدالت کو اپنی صوابدید پر اختیار ہے کہ وہ کسی غرض مند شخص کی درخواست پر کسی موجودہ یا آئندہ کے یا ممکنہ حق یا فرض کے متعلق تحقیق کرے اور فیصلہ دے خواہ اس فیصلے سے درخواست دہندہ کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے مسٹر محمد

کا کہنا تھا کہ عدالت کو پبلک کی درخواست کی سماعت نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ احمدی مسلمان ہیں کہ نہیں اور اس فیصلہ کے کرنے کے لئے کئی ایک عقائد کے اور مذہبی نوعیت کے سوالوں میں جانا پڑے گا جن کی نوعیت خالصتہً دینی ہے اور ایک غیر دینی عدالت کے لئے ان سوالوں کا حل تلاش کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور مزید برآں کہ پبلک کی استدعا محض علمی نوعیت کی ہے اور دیانت داری پر مبنی نہیں ہے۔ عدالت کی صوابدید کو پبلک کے حق میں یا اس کے خلاف استعمال کرنے کے متعلق مسٹر محمد نے عدالت کو توجہ دلائی کہ وہ ایک غیر مذہبی عدالت کے مذہبی معاملات میں الجھنے کی ناموزونیت کا خیال رکھے اور معاملہ کے اس پہلو پر مقدمہ کے غیر معمولی طور پر لمبا ہو جانے کا اور عقائد کے مسائل کے مشکل اور الجھے ہوئے ہونے کا بھی خیال رکھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے یہ سوال بھی اٹھایا جو اس سے بھی پہلے سامنے آتا ہے کہ آیا عدالت کو اپنی صوابدید پبلک کے حق میں استعمال کرنی چاہیئے کہ نہیں یعنی یہ کہ آیا ایسا حکم کبھی دیا بھی جا سکتا ہے جس سے مدعی کو فائدہ پہنچے۔ مثال کے طور پر کیا ایسا حکم دیا جا سکتا ہے کہ اسے مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے۔"

"مزید برآں مجھے مسٹر محمد اس بات پر مائل نہیں کر سکے کہ یہ عدالت اپنی صوابدید ایسے حکم کے اجراء کے خلاف استعمال کرے جس کی شروع میں ہی استدعا کی گئی ہے تا کہ مذہبی جھگڑوں کے خطرناک سمندر میں نہ کودنا پڑے۔ ہماری عدالتوں نے جب بھی اعتقادی جھگڑوں سے نپٹنا ضروری ہوا ایسا کرنے میں ہمت نہیں ہاری اور نہ جب کبھی کوئی ۔ ذمہ داری سامنے آگئی تو اس سے پہلوتہی کی۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہ امر ناپسندیدہ ہے کہ عدالت کو کسی ایسے معاملہ کا فیصلہ کرنا پڑے جس میں بہت سے عقائد اور مذہب کے ایسے سوالات کا فیصلہ کرنا پڑے جن کی نوعیت خالصتہً دینی ہو تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اگر ساری نہیں تو بیشتر مقدمہ بازی ناپسندیدہ ہے۔ جب بھی کوئی شہری (اس معاملے میں پبلک) کوئی ایسا معاملہ اٹھائے جسے عدالت کے سامنے لا کر فیصلہ کروانے کا اُسے حق

ہے اور عدالت اس سے نپٹنے کی اہلیت رکھتی ہے اور وہ معاملہ یا معاملات عدالت کے دائرہ اختیار کے اندر ہیں تو محض اس لئے اسے عدالت کے سامنے معاملہ رکھنے اور اس کا فیصلہ لینے کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ معاملہ مشکل ہے یا ناپسندیدہ ہے۔ مزید برآں ایکٹ 59/1959 کی دفعہ 19 (i) (iii) (د) کے ماتحت عدالت کی صوابدید حکم نامہ کے اجراء کے متدعی کے خلاف اس بناء پر استعمال نہیں ہونی چاہیئے کہ فیصلہ طلب معاملہ کی نوعیت دینی ہے غیر دینی نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس سوال کا فیصلہ کہ احمدی مسلمان ہیں کہ نہیں ایک غیر دینی عدالت جیسی کہ یہ عدالت ہے زیادہ انصاف اور غیر جانبداری سے کر سکتی ہے بہ نسبت ایک ایسے ٹربیونل کے جو مذہبی علماء پر مشتمل ہو۔ یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جب ماہرین کی کافی بڑی تعداد کا خیال رکھا جائے جو اس مقدمہ میں بلائے جائیں گے اور ان کی دی جانے والی خاصی زیادہ شہادت کا لحاظ رکھا جائے تو یہ عدالت ہی ان سے معاملہ کرنے اور ان کی شہادت سے نپٹنے کی بہترین جگہ ہے۔"

چنانچہ عدالت نے اس سوال کا فیصلہ مدعی کے حق میں دیا اور مقدمہ کی کارروائی معمول کے مطابق شروع ہوئی۔ جب 5 نومبر 85ء کو مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی تو تینوں مدعا علیہم کی طرف سے مسٹر ڈیپائی نے عدالت کو بتایا کہ اس کے موکلین اس کارروائی میں مزید حصہ نہیں لینا چاہتے اور انہوں نے اپنی صفائی واپس لے لی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ایسا کرنے سے ان کا منشاء عدالت کے وقار کو مجروح کرنا نہیں ہے بلکہ بحیثیت مسلمان ہونے کے وہ اپنی ضمیر کے مطابق اس عدالت کے جو اس ملک کی معمولی غیر مذہبی عدالت ہے اس اختیار کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ مسلمان کون ہے، یہ بات تو اپنی جگہ رہی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں بھی شہری حقوق کا سوال اٹھا ہے ہماری عدالتوں نے کبھی مقدمات سننے سے اس لئے انکار نہیں کیا کہ ان حقوق کے جھگڑوں کے تصفیے کے لئے عقائد کے معاملات یا دینی یا مذہبی نوعیت کے دیگر معاملات کا بھی فیصلہ کرنا پڑے گا۔

کافی عرصہ پہلے 1862ء میں لونگ بنام بشپ آف کیپ ٹاؤن 1 مرل 162 کے مقدمہ میں پریوی کونسل کا فیصلہ سناتے ہوئے لارڈ کنگز ڈاؤن نے صفحہ 179 پر مدعی کے حق کی طرف

یوں اشارہ کیا۔

"۔ ۔ ۔ ۔ شہری حقوق کی بحالی کیلئے دیوانی عدالت کی طرف رجوع کرنا اور اس طرح اس عدالت کو اختیار دینا کہ وہ اپنا فیصلہ دینے کے لئے متعلقہ ضروری سوالات کا جائزہ لے جو دینی نوعیت کے ہوں۔"

جان ودیگران بنام اسمٰعیل و دیگران (5) 1866 سرل 102 کے مقدمہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ عدالت سے مسجد کے باقاعدہ عہدوں پر تعنیاتی کے حقوق کا فیصلہ کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ یہاں اس بات کا اظہار غیر مناسب نہ ہوگا کہ اس مقدمے میں ایک دوسرے کے مخالف دو مسلمان فریق مسلم قانون اور طور طریقوں کے متعلق معاملات کا فیصلہ کروانے کے لئے ایک غیر دینی عدالت سے رجوع کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے ماضی کی کئی مثالیں ہیں جن میں ہماری عدالتوں نے مسلمانوں کے قانون اور رسم و رواج کو استعمال کیا ہے اور کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ ایک غیر دینی عدالت کے لئے اس قسم کے معاملات کا فیصلہ کرنا مناسب نہیں۔ (اس ضمن میں دیکھو مضمون موسومہ محمڈن لاء ان ساؤتھ افریقہ صفحہ 176 کیپ لا جرنل 1907۔ دیگر حسن اور دیگران بنام ڈاؤٹ 7 CTR 134 + بہادین بنام انتلا 6 CTR 41 ڈونوٹ و دیگران بنام ڈمنگو 6 CS 372 ڈوبی و دیگران بنام سالی و دیگران (7) 1900 SC 552 : + سالی بنام کوئلی و دیگران EDC 97 1908 + عمر رفیع و دیگران بنام بہادین جیبی و دیگران 1891 (6) EDL 169 + جمیل و دیگران بنام افریقن کونگریگیشنل چرچ 1971 (3) SA 836 (d) at 840 (E) ایلین و دیگران ooo بنام گبنز و دیگران 1977 (3) SA 212 SECLD

استدعاؤں اور شہادت سے یہ بہت واضح ہے کہ بحیثیت اس ملک کے ایک شہری کے مدعی نمبر 2 جو چاہتا ہے وہ یہ ہے، نمبر ایک یہ کہ وہ اپنا یہ شہری حق لینا چاہتا ہے کہ اس کی نمازی نہ کی جائے، نمبر دو یہ کہ وہ مسجد میں حاضر ہونے کا حق قائم کرنا چاہتا ہے جہاں اس کے کہنے کے مطابق اسے ناجائز طور پر داخلہ نہیں دیا جاتا۔ اور نمبر تین یہ کہ وہ کیپ کے گورنر کے عطیہ سے قائم شدہ ایک

قبرستان میں تدفین کا حق قائم کرنا چاہتا ہے۔ ان دعووں میں کامیاب ہونے کے لئے مدعی کو یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ وہ مسلمان ہے اور بدیں وجہ اس بات کا حکمنامہ ضروری ہوجاتا ہے۔ یہ دعوے غیر حقیقی نہیں ہے نہ یہ محض علمی نوعیت کا ہے۔ میری رائے میں اس مقدمے کی نوعیت کے اعتبار سے ایسے حکم کا دیا جانا مناسب ہے کیونکہ اس کا پختہ تعلق بعض دیگر احکام کے ساتھ ہے جو ایک شہری کے دیوانی حقوق سے متعلق ہیں۔ دراصل ان دیگر احکام کا حق حاصل کرنے کے لئے اس کی حیثیت بنیادی ہے۔ اس لئے ایک قانونی عدالت کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اس معاملہ کا جائزہ لے کہ مدعی نمبر 2 مسلمان ہے کہ نہیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ اس ملک کے ایک شہری کی طرف جو اس کے فرائض ہیں ان کے ادا کرنے میں ناکام ہوگی جس اصول کو لونگ کے مقدمہ میں پریوی کونسل نے ایک صدی سے زائد عرصہ پہلے بیان کیا تھا یہ مقدمہ مکمل طور پر اس کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ ہماری عدالتوں نے آج تک بلا استثناء اس اصول پر عمل کیا ہے۔

اپنے موکلین کے رویہ کی وضاحت کے بعد مسٹر ڈیسائی اور اس کے موکلین کمرہ عدالت سے چلے گئے اور مقدمہ کی کاروائی میں مزید کوئی حصہ نہیں لیا۔

اب میں مدعی نمبر 2 کے دعووں کے حسن و قبح پر غور کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جن کی اب مخالفت نہیں ہو رہی۔ اگر شہادت کی تردید نہ کی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک قانونی عدالت اسے ضرور تسلیم کرلے۔ جیسا کہ چیف جسٹس اِنس نے شفمن بنام کریل 1909 TS 538 میں واضح کیا ہے۔

"اگر شہادت کی تردید نہ ہوئی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سچ ہے۔ ۔ ۔ جس شخص پر بار ثبوت ہے اس کا بیان ایسا بعید از قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ ثبوت کا حق ادا نہ کر سکے۔"

اسی طرح ایڈیشنل جج گرین برگ نے سشنکر برادرز بنام لبٹر 1952 (3) SA 655 AD میں صفحہ (ج) 670 پر رائے دی کہ:۔

"اسی طرح اگر شہادت کی تردید نہ کی گئی ہو تو یہ لازم نہیں آتا کہ اس طرف سے آنکھیں بند کرلی جائیں کہ امر واقعہ (اگر یہ واقعی امر واقعہ ہے) اس قدر مبہم اور متضاد ہے کہ مسئلہ در پیش ہیں

نبوت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔"

میرے سامنے پیش کی گئی شہادت کا اندازہ لگاتے وقت میں ان نکات سے غافل نہیں ہوں۔
جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے مدعی نمبر 2 کے مقدمہ کا سب سے ضروری پہلو یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد چند اہم عقائد اور اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس نے ہمارے سامنے حافظ شیر محمد کی شہادت پیش کی جو ایک احمدی دینی ماہر مبلغ۔ عالم اور مسلم دین اور مذہبی رسومات سے متعلقہ امور کا علم رکھنے والے صاحب ہیں مجھے اطمینان ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار کے اندر ماہر ہیں اور مستند رائے دے سکتے ہیں۔ ان معاملات کو چھیڑنے سے پہلے گواہ نے احمدیہ تحریک کا ایک مختصر تاریخی جائزہ پیش کیا۔ یہ تحریک زیادہ تر اس کے بانی مرزا غلام احمد کی زندگی کے حالات کے ساتھ وابستہ ہے جو 1835ء کے لگ بھگ اس علاقے میں پیدا ہوئے جو اب پاکستان کہلاتا ہے۔ اور جو 1908ء میں فوت ہوئے۔ 1880 اور 1884 کے درمیان انہوں نے اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ لکھی جو چار حصوں پر مشتمل ہے۔ شہادت میں بتایا گیا کہ نہ صرف یہ کہ ایک الہام میں اللہ تعالٰی نے انہیں ایک خاص کام سپرد کیا بلکہ انہوں نے چودھویں صدی کے مجدد (مصلح) کا دعوٰی بھی کیا۔ تحریک کا نام 1900ء میں رسول کریمؐ کے نام پر رکھا گیا۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک مردم شماری میں جو 1901ء میں وقوع میں آئی مسلمان فرقوں کی تشخیص کی جانی تھی۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد 1908ء میں قیادت نورالدین صاحب کو ملی۔ جنہوں نے 1914ء تک تحریک کی راہنمائی کی۔ اس سال تحریک کے دو اندرونی گروہوں کے درمیان بعض اختلافات رونما ہوئے جس کے نتیجے میں تحریک کے دو حصے ہو گئے۔ ایک گروہ کو لاہوری کہا جانے لگا اور دوسرا گروہ قادیانی۔ مدعی نمبر 2 کا تعلق اول الذکر گروہ سے ہے۔ مارچ 1914ء میں اختلاف کے بعد لاہوری گروپ کی قیادت محمد علی صاحب کو ملی۔ وہ 1951ء تک قائد رہے 1951ء میں صدرالدین صاحب قائد ہوئے۔ 1981ء میں موجودہ قائد ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے عہدہ سنبھالا۔ 1974ء میں پاکستان کے آئین میں ترمیم کی گئی جس کے نتیجے میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ بالآخر اپریل 1984ء میں ایک صدارتی آرڈیننس نافذ کیا گیا جس میں ایک احمدی کے

خود کو مسلمان کہنے کی صورت میں بعض سزاؤں کا ذکر تھا۔ پاکستان کے قانون کے مطابق خواہ معاملہ کچھ بھی ہو جس مسئلے کا فیصلہ اس عدالت نے جنوبی افریقہ کے قانون کے مطابق کرنا ہے وہ یہ ہے کہ آیا مدعی کو وہ حق ملنا چاہیئے جس کا وہ دعویدار ہے۔ چنانچہ اب ہم حافظ بشیر محمد صاحب کی شہادت کی طرف آتے ہیں۔

انہوں نے پہلے تو بڑی احتیاط سے قرآن شریف۔ حدیث (ارشادات نبویؐ) اور کئی مسلمان علماء کی آراء کی رو سے "اسلام" اور "مسلم" کی تعریف بیان کی۔ ان کی شہادت کے اس پہلو کا لب لباب یہ ہے کہ دینِ اسلام مجموعہ ہے دو کلموں کا یعنی "لا الٰہ الا اللہ" اور "محمد رسول اللہ" کا۔ ان دونوں کے اقرار کرنے سے ایک شخص اسلام کی برادری میں داخل ہو جاتا ہے یہ کلمہ کہلاتا ہے۔

اگرچہ دینِ اسلام کا بنیادی پہلو کلمہ کا پڑھنا ہے یہ بالکل ظاہر ہے کہ رسول کریمؐ کی تعلیمات کے مطابق مسلمان کی پہچان اس کے عملی اطوار سے ہوتی ہے۔ حدیث میں لکھا ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:-

"اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے۔ نماز پڑھے، زکوٰۃ دے، خانہ کعبہ کا حج کرے، رمضان کے روزے رکھے۔"

(سنن نسائی مترجم جلد سوم صفحہ 366 صفۃ الایمان والاسلام)

عدالت کے سامنے پیش کردہ شہادت کے مطابق اور بالخصوص احادیث کی رو سے کسی شخص کے مسلمان ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے اس کے معتقدات کی تہ میں جانے کی ضرورت نہیں اس کے بعض ظاہری اطوار کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔ اگر اسے مسلمانوں کی نماز کی طرح نماز پڑھتے دیکھا جائے اس سمت میں نماز پڑھتے دیکھا جائے جس سمت میں مسلمان نماز پڑھتے ہیں یا مثال کے طور پر اسے کلمہ کا اعلان کرتے ہوئے سنا جائے تو وہ مسلمان ہے۔

اس کے علاوہ رسول کریمؐ کی احادیث کے مطابق کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو کافر یا غیر مومن کہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تکفیر یعنی ایک مسلمان کا کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہنا سختی سے منع ہے۔ یہ اصول اتنا وسیع ہے کہ اگر کسی شخص کے اندر صرف

ایک فیصد ہی ایمان ہے تو وہ کافر نہیں ہوتا یعنی :-

"اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو قاضی اور مفتی کا فرض ہے کہ وہ اس وجہ کو اختیار کرے جو اسلام کی ہو۔" (شرح فقہ اکبر صؔ 195)

اس شہادت سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مرزا غلام احمد صاحب اور لاہوری احمدیوں کے معتقدات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں ؟ یہ حافظ بشیر محمد صاحب کی شہادت کا دوسرا پہلو تھا گواہ نے بانی تحریک کی تحریرات سے متعدد حوالے دیئے یہاں صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

"ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

(ازالہ اوہام صؔ 137)

"ہمارا ہی اسلام دین ہے یہ کوئی نیا مذہب نہیں وہی نماز وہی روزہ وہی حج وہی زکوٰۃ ہے۔" (روحانی خزائن ۲ جلد نہم صؔ 312)

یہ شہادت کوئی شبہ نہیں چھوڑتی کہ جو بنیاد دین اسلام کی ہے وہی بنیاد مرزا صاحب اور لاہوری احمدیوں کے معتقدات کی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے اور اپنے مریدوں کے معتقدات یوں بیان کئے ہیں

"اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔ اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالحین کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں

اُن سب کا ماننا فرض ہے۔" (ایام الصلح صفحہ 86، 87)

اس کے بعد گواہ نے اس موضوع پر کہ کون مسلمان ہیں اور بالخصوص یہ کہ آیا احمدی مسلمان ہیں بعض مسلمان اہل الرائے کے حوالے دیئے۔

مجھے بتایا گیا کہ دین اسلام کا لازمی عقیدہ کلمہ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور کہ اس پر ایمان اور اس کے ساتھ نماز، روزہ، زکوٰۃ (خیرات کی ادائیگی) اور حج (اگر اس کی استطاعت ہو) پر ایمان کو اسلامی ملکوں کی عدالتیں اور اسلامی قانون کے ماہر مصنفین اکثر وہ کسوٹی تسلیم کرتے آئے ہیں جس سے کسی شخص کے مسلمان ہونے کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ جن مختلف ماہرین کا حوالہ دیا گیا صریحاً اس کی تائید کرتے ہیں۔ غیر ملکی عدالتوں کے فیصلے بھی میرے سامنے پیش کئے گئے۔ اگرچہ ان فیصلوں کے ہم پابند نہیں ہیں۔ تاہم یہ مضمون پر روشنی ڈالتے ہیں اور مدعی نمبر 2 کے عام موقف کی تائید کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر میں یہاں کرتا ہوں۔

ذیل کا حوالہ دیکھا جائے۔ نرنا کتھ بنام پرکل (1922) 45/ انڈین لاء رپورٹس مدراس 986۔ کورم: جج صاحبان، اولڈ فیلڈ اور کرشنن۔ سرخی یوں ہے:۔

"دین اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلعم اس کے نبی ہیں۔ لہٰذا احمدی جو یہی ایمان رکھتے ہیں مسلمانوں کا ایک فرقہ ہی ہیں گو دینی معتقدات کے بعض دیگر معاملات میں وہ دوسرے مسلمانوں سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ لہٰذا کوئی مسلمان احمدی بننے سے مرتد نہیں ہو جاتا۔"

پھر ایک مقدمہ ہے ماؤلم اور آبو بنام ترنکین (مقدمہ نمبر 513/1925) سپریم کورٹ آف سٹریٹس سٹلمنٹس (سنگاپور) میں جج ڈین کے فیصلے سے حوالہ نقل کرتا ہوں۔

" اس مقدمے میں بہت زبردست شہادت ہے کہ احمدی اسلام کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے وہ مسلمان کہلانے کا حق رکھتے ہیں نہ کہ کافر۔ اور وہ جن معاملات پر راسخ العقیدہ مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں وہ روایات ہیں جو کبھی بنیادی نہیں

سمجھے گئے۔"

ایک اور مقدمہ ہے حاکم خلیل احمد اور دیگران بنام ملک اسرافیل اور دیگران 1917 جلد 37، انڈین کیسز (پٹنہ ہائی کورٹ) صفحہ 302 کورم۔ چیف جسٹس سر ایڈورڈ چامئر اور جج رو۔ کی مندرجہ ذیل تحریر سامنے آتی ہے:۔

"قادیان کے احمدی فرقے کے ممبران مسلمان ہیں۔ عدالتِ ماتحت نے مدعیان کو مسلمان قرار دینے کے دلائل دیئے ہیں گو کئی اہم دینی معاملات میں ان کا اکثر مسلمانوں سے شدید اختلاف ہے۔"

اور آخر میں عائشہ قریشی بنام حشمت اللہ قریشی (1972) جلد 24 آل پاکستان لیگل ڈیسیزنز (کراچی) صفحہ 653 کورم: جج امداد علی ایچ آغا جج۔ سُرخی میں لکھا ہے:۔

"ایک مسلمان بہائی ہو گیا اور کئی سال ایسا رہنے کے بعد بہائی مذہب چھوڑ کر اور کلمہ پڑھ کر واپس اسلام میں آ گیا۔ عدالت کا فیصلہ: محض کلمہ کا پڑھ لینا کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے کافی تھا کسی دوسرے ضابطے یا رسم کی ضرورت نہیں۔"

فاضل جج نے (صفحہ نمبر 657 پر) کہا:۔

"دین اسلام کی تمام مستند کتابوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی وحدانیت اور محمد صلعم کی رسالت پر ایمان لاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور اسے اور کسی ضابطے یا رسوم کی ادائیگی کی ضرورت نہیں۔"

فریقِ مخالف کے مقدمہ سے دستبردار ہونے کے بعد مدعی نمبر 2 کے لئے اپنی استدعاؤں کے مطابق اپنے مقدمہ کا ثبوت دینا تو ضروری تھا لیکن ضابطے کے مطابق مدعا علیہم کے جواب دعوٰی کا جواب الجواب دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی مدعی نمبر 2 نے صرف اپنے مقدمہ کا ثبوت فراہم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مدعا علیہم کے نکات کا جواب بھی دیا بالخصوص ان کے اس اعتراض کا کہ احمدیوں کے عقائد کے متعلق مدعا علیہم کی دی گئی وجوہات کے مطابق احمدی

مسلمان نہیں ہیں۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ احمدی رسول کریمؐ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے اور کہ بانیٔ سلسلہ مرزا صاحب نے رسول کریمؐ کے بعد خود نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ (حافظ شیر) محمد گواہ کی شہادت کا تیسرا پہلو ہے۔

اس پہلو کو خاتم النبیینؐ کا مسئلہ کہا گیا یعنی نبی کریمؐ حضرت محمدؐ کو آخری نبی ماننا۔ ایک دفعہ پھر گواہ نے مرزا صاحب کی تحریرات سے بہت سے حوالے یہ ثابت کرنے کے لئے دیئے کہ بانیٔ سلسلہ بذاتِ خود اور تحریک کے ممبران یہ ایمان رکھتے ہیں کہ نبی کریم حضرت محمدؐ خاتم النبیین ہیں میں صرف ذیل کے حوالے درج کرتا ہوں۔

"میں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے خاتم ہیں۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صـ 21)

"اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل ہوں۔"

(نشانِ آسمانی صـ 28)

"میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اور اس امر پر بھی میرا ایمان ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔" (حمامۃ البشریٰ صـ 81)

اس کے بعد گواہ نے یہ بتانے کے لئے کہ مرزا صاحب خاتم النبیین سے کیا مراد لیتے ہیں ان کی تحریروں کا تجزیہ کیا۔ مرزا صاحب نے لکھا:-

"قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا۔"

(ازالہ اوہام صـ 761)

"خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔"

(ازالہ اوہام صـ 575)

ختم نبوت کے بارے میں بانیٔ سلسلہ کے عقیدہ کی پوری وضاحت اور ان کے اعلان کردہ عقائد کے تجزیہ کے بعد گواہ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مرزا صاحب نے تمام عمر نبوت کے دعوے سے

انکار کیا ہے۔ اُن کی تحریرات کے تجزیہ کی طرف توجہ دی اور یہ حوالہ دیا :۔

"محمد حسین کا یہ سراسر افتراء ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ گویا ہمیں معجزات انبیاء علیہم السلام سے انکار ہے یا ہم خود دعوٰی نبوت کرتے ہیں یا نعوذ باللہ حضرت سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء نہیں سمجھتے ۔ ۔ ۔ ۔ خدا تعالےٰ گواہ ہے کہ ہم ان سب باتوں کے قائل ہیں"۔ (مجموعہ اشتہارات جلد دوم صت 257)

پھر یہ کہ :۔

" ۔ ۔ ۔ میرا نبوت کا دعوٰی نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں"۔

(جنگ مقدس صت 67)

پھر یہ کہ " اور پھر ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے ۔ ایسا کوئی دعوئی نہیں کیا گیا"۔

(حقیقۃ الوحی صت 390)

اور پھر یہ کہ " اس عاجز نے اِن موجودہ علماء کے مقابل پر ۔ ۔ ۔ ۔ کئی مرتبہ خدا تعالٰی کی قسمیں کھا کر کہا کہ میں کسی نبوت کا مدعی نہیں"۔

(مکتوب بنام مولانا احمد اللہ امرتسری الحکم 24 جنوری 1904ء)

اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مرزا غلام احمد نے خدا سے الہام پانے کا دعوٰی ضرور کیا ۔ چنانچہ گواہ نے اسلام میں الہام کے سوال کے تمام پہلوؤں پر بالخصوص اس کے مسلم اولیاء میں جاری ہونے کے متعلق سیر حاصل بحث کی ۔ یہ اس کی شہادت کا چوتھا اہم پہلو تھا۔ قرآن مجید سے حجت پکڑتے ہوئے اس نے بڑی محنت سے اس بات کی وضاحت کی کہ ایک سچے دین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ایسے زندہ خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے جو مصیبت زدگان کی دعا کو سنتا ہے ۔ ان کی تکالیف دور کرتا ہے ۔ اور اپنے بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے ۔ یوں تو ہر اسلام کا پیرو زبانی دعوٰی کر سکتا ہے کہ اسلام انسان کو خدا تک پہنچاتا ہے ۔

لیکن ذاتی تجربہ اور کمالات کی بنیاد پر دنیا کے انسانوں کو اللہ کی طرف بلانا صرف انہیں کا کام ہے جنہیں خود اللہ نے پاک کیا ہے اور جو نبی کریم محمدؐ کے کامل پیرو ہیں۔ اسلام میں الہام کے موضوع پر بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے گواہ نے بتایا کہ نبی کریم محمدؐ کے ساتھ نبوت کے ختم ہو جانے سے جو ہدایت نسلِ انسانی کو ملنی تھی وہ کمال کو پہنچ گئی۔ پھر اس نے سوال اٹھائے۔ کیا ہدایت کے مکمل ہونے کے بعد خالق اور مخلوق کے درمیان جو رشتہ تھا وہ ہمیشہ کے لئے پختہ ہو چکا ہے اور اب آئندہ تمام انسان پیدا ہوتے ہی خدا رسیدہ ہوا کریں گے؟ یا ختم نبوت کے بعد بھی لوگ خدا سے دور بھٹکیں گے اور صراطِ مستقیم کو کھو دیں گے۔ جب مکمل ہدایت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ گمراہ ہو سکتے ہیں تو پھر ایسے گمراہ لوگوں کا اللہ سے تعلق جوڑنے کے لئے انبیاء کی جگہ کون لیں گے۔ گواہ نے قرآن حکیم کے حوالے سے بتایا کہ جس طرح آنحضرت صلعم وحی الٰہی کی روشنی سے لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے تھے اسی طرح اب ان کی امت میں سے وہ لوگ جو وحی کے نور کے حامل ہیں اسی وحی کی بنیاد پر اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق قائم کریں گے۔ ایسے افراد اولیاء اللہ کہلاتے ہیں اور جو وحی انہیں عطا کی جاتی ہے وہ وحی نبوت نہیں ہوتی بلکہ وحی ولایت ہوتی ہے۔

اس کے بعد گواہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کن طریقوں سے وحی نازل فرماتا ہے۔ اس مضمون کی تفصیل میں جانے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں سوائے اس کے کہ اولیاء اور انبیاء کی مشترکہ وحی میں اور اس وحی میں جو انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ ایک امتیاز پایا جاتا ہے۔ موخرالذکر وحی (وحی نبوت) تو نبی کریم محمدؐ کے ساتھ ختم ہو گئی لیکن اللہ کا کلام کرنا برنگ وحی ولایت مسلمانوں میں جاری ہے اور اس وحی کو نبی کریمؐ نے نبوت کا حصہ قرار دیا تھا۔

قرآن کریم کی رو سے اس قسم کی وحی غیر انبیاء کو ہوتی رہی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کی والدہ۔ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریم اور حضرت عیسےٰؑ کے حواریوں کو۔ ایسی وحی نبی کریمؐ کی زندگی میں اور بعد میں بھی حضورؐ کے صحابہ کرام کو ہوتی رہی۔ گواہ نے اپنے باقاعدہ اور مربوط انداز میں متعدد مسلم علماءِ دین، فضلاء اور مصنفین کی تحریروں کا جائزہ لیا۔ اس تجزیہ سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ وحی اللہ

کے مقربین کی خصوصیات میں سے ایک ہے اور یہ کہ نبی کریمؐ کے بعد یہ غیر انبیاء کو وحی ولایت کے رنگ میں آتی رہی۔

"اور یہ دروازہ نبوت کا محمد رسول اللہ کی موت کے بعد بند کر دیا گیا۔ اور قیامت کے دن تک کسی کے لئے کھولا نہیں جائے گا لیکن اولیاء کے لئے وحی الہام باقی ہے جس میں شریعت نہیں۔"
(الیواقیت والجواہر ص 37)

گواہ نے احمدیہ تحریک کے ایک مخالف عالم دین علامہ خالد محمود کا حوالہ دیا جس نے لکھا کہ:

"اخبار غیبیہ اور کشوف والہامات تو بعض غیر انبیاء کو بھی کرامت فرمائے جاتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کو بھی بعض غیبی خبروں کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اور حضرت عمرؓ فاروق تو محدثیت پر فائز تھے جس مقام پر کہ بفحوائے حدیث خود رب العزت اپنی ہمکلامی سے نوازتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ صاحب مقام نبی ہو جائے۔"

(عقیدۃ الامت فی ختم النبوۃ حاشیہ ص 48)

گواہ کی شہادت کا پانچواں پہلو نظریہ محدث پر بحث تھی جو وحی پانے والا ولی یا غیر نبی ہوتا ہے۔ اس نے بتایا کہ لفظ محدث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ لغوی اور اصطلاحی۔ لغوی معنوں میں لفظ محدث میں غیب کی خبروں کے اظہار کا مفہوم نہیں پایا جاتا بلکہ کسی بھی چیز کا بیان کرنا ہے۔ دین اسلام میں اس کے اصطلاحی معنوں کے متعلق مرزا صاحب نے خود لکھا۔

"محدث خدا تعالٰی سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطانی سے منزہ کیا جاتا ہے۔ اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے۔ اور بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔ اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باآواز بلند ظاہر کرے۔"
(توضیح مرام ص 18)

اس کے بعد گواہ نے نبی اور رسول کے الفاظ کے استعمال کی وضاحت کی اور پہلے کی طرح

ان لفظوں کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کا فرق ظاہر کیا۔

لفظ "رسول" کے لغوی معنی ہیں "بھیجا جانا"، یعنی فرستادہ کو عربی میں رسول کہتے ہیں"
(اربعین 2 حاشیہ ص 18)

"رسول" کے اصطلاحی معنوں کا مفہوم مختلف ہے۔ مرزا صاحب نے یہ معنی اس طرح بیان کئے ہیں۔

"حسب تصریح قرآن کریم رسول اس کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائد دین جبرئیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔" (ازالہ اوہام ص 534)

"لفظ رسول" (یعنی پیغامبر) کی طرح مرزا صاحب دیگر مسلم علماء دین کی طرح لفظ "نبی" کے بھی دو معنی منسوب کرتے تھے ایک لغوی اور دوسرے اصطلاحی "نبی" اور "نبوت"، کے لغوی معنی درج ذیل ہیں۔

"نبوت پیشگوئی کرنے کو کہتے ہیں۔" (روحانی خزائن نمبر 2 جلد 1 ص 140)

اور پھر

"جو غیب کی خبر خدا سے پاکر دیوے اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں۔"

(اربعین نمبر 2 حاشیہ ص 18)

اصطلاحی معنوں کا مفہوم کچھ اور ہے۔

"اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔"

(خط 17 اگست 1899ء)

یہ وہ معنی ہیں جو مرزا صاحب نے "نبی اور رسول" کے الفاظ کی طرف منسوب کئے اور یہ ان معنوں کے مطابق ہیں جو مسلم دینی عمائدین صدیوں سے ان الفاظ کو دیتے رہے ہیں۔ ماضی کے تمام انبیاء اصطلاحی معنوں کے مصداق ہیں لیکن مرزا صاحب نے اپنی طرف صرف لغوی معنی منسوب کیئے

اور تمام عمر اپنی طرف اصطلاحی معنوں کے منسوب کرنے کا انکار کرتے رہے ۔ "نبی اور رسول" کے الفاظ کا ایسا لغوی استعمال اسلامی قانون اور دین کے خلاف نہیں ہے ۔ اس نکتہ پر زور دینے کے لئے گواہ نے مرزا صاحب کی تحریرات سے کئی حوالے پیش کئے ۔ مثال کے طور پر یہ حوالہ :۔

"یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں ۔" (مجموعہ اشتہارات جلد اول صـ313)

مرزا صاحب نے صرف ان الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کے درمیان فرق ہی ظاہر نہیں کیا بلکہ زبان کے اعتبار سے حقیقت اور مجاز کے درمیان امتیاز بھی قائم کیا ۔ گواہ نے اس فرق کی وضاحت کے لئے لفظ "شیر" کا حوالہ دیا ۔ اپنے حقیقی معنوں میں یہ ایک جانور ہے ۔ مجازی معنوں سے مراد بہادر آدمی ہے ۔

لہٰذا "نبی" اور "رسول" کی اصطلاحات کے یوں معنی کئے جا سکتے ہیں کہ ان سے مراد خدا کے حقیقی نبی اور رسول ہوں ۔ بالفاظِ دیگر ان معنوں میں متعلقہ شخص حقیقتاً نبی ہوتا ہے ۔ البتہ اگر "نبی" اور "رسول" کا اطلاق ایک غیر نبی یا ولی پر ہو تو ان کا استعمال مجازی معنوں میں ہوگا یعنی مجازی نبی یا ولی ۔

پہلے کی طرح مرزا صاحب نے بڑی کاوش سے ان معنوں کی وضاحت کی جو وہ ان الفاظ کو پہناتے ہیں ۔ مثلاً :۔

"وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں جن میں یہ نبوت اور رسالت بکثرت آیا ہے ۔ ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے ۔" (حاشیہ انجام آتھم صـ27)

مزید برآں ان الفاظ کے یہ معنی صرف مرزا صاحب ہی نہیں کرتے ۔ مرزا صاحب سے پہلے اسلامی دنیا کے اولیاء کو بھی ان کے خدائی الہامات میں مجازی طور پر "نبی" اور "رسول" کے خطاب دیئے گئے تھے اور کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ وہ نبی بن گئے ہیں ۔

یہ بالکل واضح ہے کہ مرزا صاحب کا منشاء اس سے زیادہ نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو زمرۂ اولیاء میں شامل سمجھتے تھے نہ کہ زمرۂ انبیاء میں۔

گواہ نے پھر مرزا صاحب کے دعاوی کا تجزیہ تاریخ اسلام کے بلند پایہ دینی علماء کے عقاید کی روشنی میں کیا۔ شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب "نبی" اور "رسول" کے الفاظ اولیاء اور مجددین کیلئے لغوی معنوں یا بطور مجاز استعمال ہوتے ہیں تو وہ بزرگان نبی نہیں بن جاتے۔ بعینہٖ شہادت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے کبھی بھی حقیقی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے لئے "نبی" اور "رسول" کے الفاظ بطور مجاز استعمال کئے۔ انہوں نے ان الفاظ کے صاف اور واضح مطالب بیان کئے ہیں اور ان کے لغوی اصطلاحی مجازی اور حقیقی معنوں کی بالکل وضاحت کر دی ہے۔ مرزا صاحب کے دعاوی کا خلاصہ یہ ہے :-

" وحی نبوت سے انکار کیا اور وحی ولایت کا اقرار کیا۔ نبی کے لغوی معنوں سے اقرار کیا اور نبی کے اصطلاحی معنوں سے انکار کیا ، محدث کے لغوی معنوں سے انکار کیا اور محدث کے اصطلاحی معنوں سے اقرار کیا کہ وہ اصطلاحی معنوں میں محدث ہیں حقیقی نبی سے انکار کیا اور مجازی نبی کا اقرار کیا۔"

جب ان دعاوی کا جائزہ اس دینی ماحول کے پس منظر میں لیا جائے جس میں مرزا صاحب آئے تو ان میں کوئی بھی غیر موزوں یا گمراہ کن بات نظر نہیں آتی۔ یہ ان روحانی خیالات کے مطابق ہیں جو اس ماحول میں پائے جاتے تھے۔ گواہ نے اس کا یقینی ثبوت دینِ اسلام کے اولیاء اور علماء کی تحریرات کے ذخیرے کے حوالوں سے دیا۔ گواہ کی شہادت کے اگلے پہلو کا تعلق اسلامی تصوف کی اصطلاحات کے اولیاء پر اطلاق سے تھا۔ اس نے اس طرح کی اصطلاحات کے معنے بیان کئے۔

فنا فی الرسول ۔ ظل ۔ بروز ۔ مثیل انبیاء ۔ امتی و نبی

گواہ نے بتایا کہ مرزا صاحب نے ان اصطلاحات کو استعمال کیا ہے۔ ان کا مطلب بیان کیا ہے اور انہیں اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔ ان اصطلاحات کے استعمال کا تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ مرزا

صاحب کا دعویٰ نبوت کا نہیں تھا۔ بلکہ نبی کے عکس یا بروز ہونے کا جس طرح آئینہ میں جو عکس اور پرتو نظر آتا ہے وہ اصل نہیں ہوتا اور نہ ہی تصویر اصل ہوتی ہے۔ یہ کہا گیا کہ مرزا صاحب کا قلب ایک صیقل شدہ شیشے کی طرح تھا جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس دیکھا جا سکتا تھا۔ بالفاظ دیگر نبی کریمؐ اصل ہیں اور مرزا صاحب ظل (عکس) یا تصویر، صوفیا کے نزدیک نبی کریمؐ اصل ہیں اور ولی ظل یا عکس۔

مزید برآں یہ بالکل واضح ہے کہ مرزا صاحب کا پختہ ایمان تھا کہ نبی کریمؐ خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ نہ نیا نہ پرانا۔ ختم نبوت کے ساتھ دین اور دین کی شرع کمال کو پہنچ گئے اور اس لئے انبیاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب کوئی نبی نہیں آئیگا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ جب بھی لوگ خدا سے دور بھٹک جاتے ہیں اور اس پر ایمان کھو دیتے ہیں تو ایمان کو زندہ کرنے کے لئے اور انسان کا تعلق خدا سے دوبارہ قائم کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ اولیاء اور مجدد دین کو مبعوث کرتا ہے۔ یہ قرآن مجید اور حدیث کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ انہیں کئی القاب سے پکارا جاتا ہے۔ جیسے خلیفہ۔ ولی۔ مجدّد۔ محدث (جسے وحی ہوتی ہے لیکن وہ نبی نہیں ہوتا) انکو فنافی الرسول۔ مثیل انبیاء۔ ظلی نبی۔ بروزی نبی اور امتی نبی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاحات انبیاء کو نہیں ظاہر کرتیں بلکہ اولیاء کی ہم معنی ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنے عقائد اور اصطلاحات جو انہوں نے استعمال کی ہیں ان کی وضاحت کی انتہائی کوشش کی۔ پھر بھی ان پر تنقید اور اعتراض ہوئے۔ یہ الزام لگایا گیا کہ وہ مدعی نبوت ہے۔ ان کے ایک مرید نے اس کا انکار کیا۔ اس وجہ سے انہوں نے 1901 میں ایک رسالہ بعنوان "ایک غلطی کا ازالہ" شائع کیا۔ اس سے آپ کی بنیادی غرض ان اصطلاحات کی وضاحت تھی جو انہوں نے استعمال کی تھیں اور اس بات کا اعادہ کرنا تھا کہ وہ حقیقی نبی نہیں ہیں۔ بلکہ اصل کا ظل یا بروز ہیں۔ اپنی کسی غلطی کی اصلاح مقصود نہیں تھی بلکہ ان کی غلطی کی اصلاح کرنا تھی جو آپ کے دعاوی کے سمجھنے میں غلطی پر تھے۔ اس رسالہ پر مرزا صاحب کے ایک مخالف نے اعتراض کیا۔ آپ کے ایک مرید نے اس کا جواب دیا۔ یہ جواب ایک رسالہ میں ہے جس کا عنوان ہے "ایک غلطی کے ازالہ کی وضاحت"۔ یہاں بھی اسی

مضمون کا اعادہ کیا گیا میں حوالہ نقل کرتا ہوں۔

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کر دی گئیں مگر ایک کھڑکی کھلی ہے یعنی فنافی الرسول کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کی نبوت آخر محمدؐ کو ہی ملی گو بروزی طور پر۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

اور پھر :-

"جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

مرزا صاحب کی اصطلاحات کی مزید تشریح کے لئے اور بالخصوص ایک ولی کی خصوصیات کی وضاحت کرنے کے لئے گواہ نے اس موضوع پر روشنی ڈالی کہ" ایک مومن کس طرح مریم اور مسیح بنتا ہے ۔" اس نے مومنین کے اس گروہ کی طرف اشارہ کیا جو" شروع ہی سے پاک اور شیطان کے حملوں سے محفوظ ہوتے ہیں ۔" ان کی اعلیٰ درجہ کی نیکی اور پاکیزگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مریم سے مشابہت دی ہے اور روحانی دنیا میں انہیں یہی نام دیا ہے۔ گواہ نے کئی اسلامی تحریرات کے حوالے دیئے اور بتایا کہ مسلمان اولیاء کو عیسےٰ اور مریم اور کئی دوسرے انبیاء سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ اس پس منظر میں گواہ نے بتایا کہ غیر انبیاء کو انبیاء سے مشابہت دینا جائز ہے اور کہ خود نبی کریمؐ نے غیر انبیاء کو انبیاء سے مشابہت دی ہے۔

پھر اس نے اس امر کا جائزہ لیا کہ مرزا صاحب کے نزدیک ایک مومن کس طرح مریم بنتا ہے :-

" ہر ایک مومن جو تقویٰ وطہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہے ۔

اور خدا اس میں اپنی روح پھونک دیتا ہے جو کہ ابن مریم بن جاتی ہے ۔"

(روحانی خزائن جلد دوم صہ 317)

مطلب یہ کہ جب کوئی شخص تبتل الی اللہ میں اتنی ترقی کر لیتا ہے کہ صرف اس کی روح باقی رہ جاتی ہے اور وہ اللہ کی نظروں میں روح اللہ بن جاتا ہے اور اسے آسمان میں عیسیٰ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ کے ہاتھ پر اسے ایک روحانی ولادت ملتی ہے جو کسی مادی باپ کا نتیجہ نہیں ہوتی ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ اسے یہ پیدائش عطا کرتا ہے ۔ درحقیقت تزکیۂ نفس اور تبتل الی اللہ اس کمال کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ جسمانی ظلمت سے علیحدگی حاصل کر لیتا ہے پس صرف رُوح باقی رہ جاتی ہے ۔ اور اُسے مسیح کا منصب عطا کیا جاتا ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یسوع کو بھی مسیح کا خطاب ہی دیا گیا تھا جس کے معنی ہیں " اللہ کا مقرب "، " خدا کے لطف وکرم سے حصہ لینے والا " " خلیفۃ اللہ "۔ اور " جو سچائی اور راستگی اختیار کرتا ہے "۔ جب ایک مومن ان معنوں میں عیسیٰ بن جاتا ہے تو وہ مہدی (ہدایت یافتہ) کے کامل منصب تک بھی پہنچ جاتا ہے ۔ مہدی سے مراد ہے " فطرتاً ہدایت یافتہ " " تمام ہدایتوں کا وارث " " صفات الٰہی کا کامل عکس "۔

اس روحانی اعتبار سے مرزا صاحب نے مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ۔

" میں ایک مسلمان ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صدی چہاردہم کے لئے مسیح ابن مریم کی خصلت اور رنگ میں مجدد دین ہو کر رب السمٰوٰت والارض کی طرف سے آیا ہوں "

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 231)

ایک مزید حوالے میں ہے :۔

" یہ عاجز مجازی اور روحانی طور پر وہی مسیح موعود ہے جس کی قرآن اور حدیث میں خبر دی گئی ہے " (ازالہ اوہام صفحہ 261)

شہادت کو یہ ثابت کرنے کے لئے بھی استعمال کیا گیا کہ اس معاملے میں مرزا صاحب کے دعاوی اسلامی شریعت کے خلاف نہیں ہیں ۔ مہدی اور مثیل مسیح کے دعوے کرنے کی اسلامی شریعت میں اجازت ہے ۔ قابل اعتراض امر یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کیا جائے اور خود نبی ہونے کا دعویٰ کیا جائے ۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مرزا صاحب نبی کریمؐ کو خاتم النبیین اور آخری نبی مانتے تھے اور ان کا نظریہ تھا کہ نبی کریمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا نہ نیا نہ پرانا ۔ یہ ظاہر ہے کہ بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ سیاق وسباق کے اعتبار سے اُن کے

مختلف معنی ہوتے ہیں۔ یا معنوں میں تھوڑا سا فرق ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی تحریرات میں ان معنوں کی وضاحت کر دی ہے جن میں انہوں نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے معنی مختلف ہو سکتے ہیں کسی مصنف پر جائز تنقید صرف انہی معنوں کے حوالے سے ہو سکتی ہے جو اس نے اپنی اصطلاحات کو دیئے ہیں۔ کوئی بھی دوسرے معنی پہنانا اسے مسخ کر دے گا۔

ایک مسئلہ جو مدعا علیہم نے جواب دعویٰ میں اٹھایا تھا اور جس کا جواب مدعی نے دیا وہ حضرت عیسیٰ کی بن باپ پیدائش کا ہے۔ اس بارے میں شہادت میں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ صدیوں سے جب سے اسلام وجود میں آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے مسئلہ پر مسلمانوں میں اختلاف رہا ہے بعض مانتے ہیں کہ وہ بغیر کسی قدرتی یا انسانی باپ کے توسط سے پیدا ہوئے بعض مانتے ہیں کہ ان کا واقعی ایسا باپ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایمانیات کا مسئلہ نہیں اور نہ دین اسلام کے ماننے کے لئے یہ لازمی ہے مسلمانوں کے ایمان کا جو جزو ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بطور نبی مانا جائے۔ دوسری بات یہ بتائی گئی کہ جہاں تک مرزا صاحب کا تعلق ہے ان کی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر یہ مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰ بغیر انسانی باپ کے توسط سے پیدا ہوئے تھے۔ تیسرے یہ کہ چونکہ قرآن شریف نے حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا مسئلہ قطعی طور پر حل نہیں کیا بلکہ یہ متشابہات میں سے ہے اس لئے (مرزا صاحب) نے اپنے مریدوں کو قرآن شریف کے معنی سمجھنے کی آزادی دے دی تھی۔ اس آزادی کی وجہ سے مرزا صاحب کے بعض مرید خود مرزا صاحب سے بعض نکات پر اختلاف رکھتے تھے۔

عدالت کے سامنے جو شہادت پیش کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنواری سے پیدائش کا معاملہ ایسا ہے جس میں مسلمانوں کا آپس میں اختلاف ہے اور یہ تفسیری اختلافات اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہیں ہیں نہ یہ ایک مسلمان کے ایمان کے لئے لازمی ہیں۔

ایک اور اختلاف جس کا مدعا علیہم نے ذکر کیا تھا یہ تھا کہ مدعی نمبر 2 اس لئے مسلمان نہیں ہے کیونکہ وہ اسلام کو نہ ماننے والوں کے خلاف جہاد یا دینی جنگ کرنا تسلیم نہیں کرتا۔ مدعی نمبر 2 نے اس اعتراض کا جواب دینے کا ذمہ لیا اور جہاد کے معنوں پر لمبی شہادت پیش کی۔ گواہ نے اس موضوع

پر بڑی جامع بحث کے دوران سب سے پہلے لغوی اعتبار سے یعنی بنیادی (مادہ کے) معنوں کے لحاظ سے روشنی ڈالی۔ اس کے معنی ہیں "کوشش کرنا"، پھر اس نے قرآن مجید کی تعلیمات کی رُو سے اس مضمون پر روشنی ڈالی۔ تیسرے اس نے مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں کے حوالے سے اس موضوع کا تاریخی لحاظ سے جائزہ لیا۔ پھر اس نے حدیث اور بخاری کے پس منظر میں اس پر بحث کی۔ آخر میں اس نے مسلمان علماء کی تحریرات سے اس پر نظر ڈالی۔

اس نے واضح کیا کہ جہاد اور جنگ ہم معنی نہیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خود قرآن شریف نے جہاد اور قتال (لڑائی یا جنگ) میں امتیاز قائم کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد کے معنی لڑائی اور جسمانی جنگ کے ہو سکتے ہیں۔ گواہ نے یہ کہہ کر مدینہ میں مسلمانوں کی حالت کی طرف توجہ دلائی۔ کفار مکہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مدینہ پر حملہ کریں گے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو تلوار کے ذریعہ تباہ کر دیں۔ یہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کی اجازت دی کیونکہ اگر یہ نہ کیا جاتا تو اس کا مطلب مسلمانوں کے لئے خودکشی ہوتا۔ اس وقت قرآن کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

"۔۔۔۔ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔۔۔۔" ($\frac{22}{39}$)

شہادت کے مطابق تلوار کے ساتھ جہاد کی اجازت کے لئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:۔

(i) لڑائی کا آغاز کفار کی طرف سے ہو۔

(ii) مسلمانوں پر ظلم انتہا کو پہنچ گیا ہو۔

(iii) کفار کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنا ہو۔ اور

(iv) مسلمانوں کا مقصد صرف اپنا دفاع اور حفاظت ہو۔

لیکن جہاد کا ایک اور بھی مفہوم ہے۔ حدیث سے ظاہر ہے کہ جہاد کا مطلب ہے "اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرنا" خواہ یہ اپنے مال سے ہو یا زبان سے یا ہاتھوں سے یا جان سے۔ خواہ یہ اپنی خواہشات کے خلاف ہو یا کسی ظاہری دشمن کے۔ خواہ اس کا مقصد اللہ

کا قرب حاصل کرنا ہو یا اللہ کے کلام کا پھیلانا۔ قرآن مجید اور حدیث میں تین قسم کے جہاد کا ذکر ہے۔

ا۔ جہاد اکبر ب: جہاد کبیر ج: جہاد اصغر

پہلے دو جہادوں پر ہر وقت عمل ہو سکتا ہے۔ لیکن تیسری قسم پر جس میں جہاد بالسیف بھی شامل ہے اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب کہ خاص شرائط موجود ہوں۔ اس اصطلاح کو وسیع معنوں میں استعمال کرتے ہوئے ایک بلند پایہ تفسیر میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ"

"بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق ادا کرنا ہے۔" (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضا فصل ثانی جلد سوم)

"..... یہ سب سے بڑا جہاد ہے کہ حجت و برہان کے ساتھ جہاد کرنا سیف و سنان کے جہاد سے افضل ہے اور سیف و سنان کا جہاد اصغر ہے۔"

(تفسیر روح البیان)

مسلم علماء کی آراء اس اصطلاح کے وسیع معنوں کی پرزور تائید کرتی ہیں۔

"اب سیف کا وقت نہیں رہا اب بجائے سیف کے قلم سے کام لینا ضروری ہوگا۔"

(اشاعت السنہ جلد 6/ 12 ص 324-325)

اس طرح جہاد نے بہت زیادہ اہم مفہوم اختیار کر لیا ہے اور یہ ان معنوں سے مختلف ہے جو مدعا علیہم بتانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک جنگ ہے جس میں تلوار کی بجائے قلم اور زبان استعمال ہوتے ہیں اور اس کا مقصد لوگوں کے ذہنوں اور دلوں پر قبضہ کرنا ہے اور جسمانی مخالفت کرنا نہیں۔

"زبان اور قلم کے زور سے لوگوں کے نقطۂ نظر کو بدلنا اور ان کے اندر ذہنی انقلاب پیدا کرنا بھی جہاد ہے اور اس راہ میں مال صرف کرنا اور جسم سے دوڑ دھوپ کرنا بھی جہاد ہے۔" (تفہیمات حصہ اول ص 69)

اور "جہاد جہد سے مشتق ہے اور اس کے لغوی معنے کوشش اور سعی کے ہیں مگر اصطلاحی طور پر اعلاء کلمۃ اللہ، اسلام کی سربلندی اور سرفرازی اور کامیابی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔"

(دعوت 13 نومبر 1964ء)

شہادت نے نہ صرف یہ ثابت کر دیا کہ جہاد کا مطلب محض جسمانی جنگ سے بہت زیادہ وسیع اور زیادہ اہم ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے نہیں۔

"ایک اور چیز کا ذکر کرنا چاہیئے جہاد یعنی روحانی جد وجہد یا کوشش اسلام کے پانچ ارکان میں شامل نہیں ہے اس کا صحیح ترجمہ مذہبی جنگ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کے مفہوم کو وسیع کیا جائے لیکن اس سے جو کہ اخبارات میں استعمال کیا جاتا ہے جہاد کی ذلت ہوتی ہے (اسلامک پرسپکٹو: صفحہ 132)

جہاد کے متعلق مرزا صاحب نے اپنا نظریہ بالکل واضح کر دیا ہے۔ ان کی تحریرات سے صرف ایک حوالہ دیا جاتا ہے۔

"ہمارے زمانہ میں ہمارے برخلاف قلم اٹھائی گئی ہے۔ قلم سے ہم کو اذیت دی گئی اور سخت ستایا گیا اس لئے اس کے مقابل پر قلم ہی ہمارا حربہ ہے۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 44)

گواہ نے بتایا کہ مرزا صاحب کو کیوں جہاد کے مسئلہ پر قلم اٹھانا پڑا۔ عیسائی مبلغین نے اسلام کے خلاف بہت سے اعتراضات پیش کئے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ قدرتی طور پر مرزا صاحب کو اس اعتراض کا جواب دینا تھا۔ دوسرے یہ کہ جہاد کے متعلق جو خیالات مولویوں نے لوگوں میں پھیلا رکھے تھے وہ قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف تھے اس لئے صحیح مفہوم کا بیان کرنا ضروری تھا۔

ان اعتراضات کا جواب دینے کے لئے اور غلط تعلیمات کے رد کے لئے مرزا صاحب کو لازماً جہاد کے جسمانی جنگ کے مفہوم پر بحث کرنا پڑی۔ انہوں نے اپنا موقف بالکل واضح کر دیا۔ میں ان کی تحریر سے حوالہ دیتا ہوں۔

"جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف یونہی لڑائی کے لئے حکم نہیں فرماتا بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو ایمان لانے سے روکیں

اور اس بات سے روکیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں اور ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرمانا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے جو ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آویں۔"

(نور الحق اول صہ 46)

ایک اور حوالہ ہے :-

"اس لئے لاچار جواب الجواب میں تلوار سے جواب نہیں دیا جاتا بلکہ قلم اور دلائل سے اسلام پر نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ سیف (تلوار) کا کام قلم سے لیا جائے اور تحریر سے مقابلہ کر کے مخالفوں کو پست کیا جائے اس لئے اب کسی کو شایاں نہیں کہ قلم کا جواب تلوار سے دینے کی کوشش کرے۔"

(ملفوظات جلد اول صہ 59)

میرے سامنے جو شہادت رکھی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد کے متعلق مرزا صاحب کے یقینی خیالات اور معتقدات قرآن مجید کی تعلیمات۔ حدیث اور اسلام کے دینی ارکان کے عین مطابق ہیں۔ اس کے بعد گواہ نے بعض ایسے اعتراضات کے جواب دینے کی طرف توجہ کی جو احمدیہ تحریک کے خلاف لگائے جاتے ہیں۔ گواہ نے اپنی شہادت قرآن مجید کی تعلیمات کے پس منظر میں ادا کی بالخصوص یہ کہ مسلمانوں کو کہا جاتا ہے کہ وہ سب کو سنیں لیکن صرف وہی بات قبول کریں جو اچھی ہو۔ دوسرے ان پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی تعلیمات کو صرف قبول ہی نہ کریں بلکہ انہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔

پھر اس نے مرزا صاحب کی تحریرات سے کچھ حوالے دیئے۔ بعض مختصر حصے یہاں درج کئے جاتے ہیں :-

"۔ ۔ ۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھو

"۔ ۔ ۔ اور خدا کے بندوں سے ہمدردی اختیار کرو اور نیک چلن اور نیک خیال

انسان بن جاؤ۔"

"۔۔۔۔ زبان اور ہاتھ سے کسی کو ایذا مت دو اور ہر ایک گناہ سے بچتے رہو۔"

"۔۔۔۔ تمام انسانوں کی ہمدردی تمہارا اصول ہو اور بد صحبت سے پرہیز کرو۔" (کشف الغطاء صہ 8)

"چاہیے کہ فساد انگیز لوگوں اور شریر اور بدمعاش اور بدچلنوں میں ہرگز تمہارا گذر نہ ہو۔"

یہ بالکل واضح ہے کہ مرزا صاحب کی تحریرات اور تعلیمات میں بہت اچھائی ہے۔

گواہ نے مسلمانوں کے ساتھ رشتے کرنے، مل کر نماز پڑھنے اور مل کر نماز جنازہ ادا کرنے کے متعلق احمدیوں کے رویہ کے خلاف پائی جانے والی بعض غلط فہمیوں کی وضاحت کی۔ اس نے جس موضوع پر بھی شہادت دی اس کی بنیاد اسلام کا وہ رُخ تھا جو زیادہ تر قرآن مجید اور حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب احمدیوں کے خلاف رائے کے اجماع کے موضوع پر اس نے اظہار خیال کیا تو اس نے انہیں سے سند پکڑی۔

اس نے بتایا کہ اسلام کے چار ماخذ ہیں۔ اول قرآن شریف۔ دوسرے حدیث تیسرے قیاس اور چوتھے اجماع۔ پھر اس نے کہا کہ اگر قرآن شریف میں کوئی تعلیم موجود ہے تو اس کے خلاف اجماع نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی تعلیم بالحقیقت قرآن شریف یا حدیث میں موجود ہو تو دوسرے ماخذوں یعنی قیاس اور اجماع سے رجوع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے تین اصول بیان کئے جو اسلامی تعلیمات سے اخذ ہوتے ہیں:۔

(i) اکثریت کی رائے لازماً فیصلہ کن دلیل نہیں ہوتی۔

(ii) اکثریت کی رائے اقلیت پر لازماً ٹھونسی نہیں جا سکتی۔

(iii) اکثریت کی رائے لازماً سچائی کا ثبوت نہیں۔

اس نے 99 کے مقابل ایک کی اکثریت کی مثال دی جس میں ایک سچا اور 99 جھوٹے ہوں۔ اسلام میں اس ایک سچے انسان کی شہادت 99 جھوٹوں کے مقابل قبول کرنا پڑے گی۔ حالانکہ وہ ایک بڑی اقلیت میں ہے۔ اس نے بتایا کہ معیار اکثریت کی رائے نہیں بلکہ صداقت

ہے۔ اس لئے اگر اجماع یا اکثریت کی رائے قرآن شریف یا حدیث کے خلاف ہو تو احمدی اسے تسلیم نہیں کرتے۔

اگرچہ گواہ نے فتاویٰ کے متعلق تفصیل سے بحث کی تاہم یہاں ایسا نہیں کیا جائیگا۔ سنیوں کے مختلف گروہوں کے درمیان کفر کے فتوے اتنے عام ہیں اور وہ ایسے بظاہر سطحی وجوہات کی بنا پر دیئے جاتے ہیں کہ ان کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

مقلدین نے غیر مقلدین کے خلاف فتوے جاری کئے ہیں اور انہیں کافر گردانا ہے اور غیر مقلدین نے مقلدین کے خلاف اسی قسم کے فتوے جاری کر کے ان کا ردکیا ہے۔ چاروں اماموں کے متبعین اور صوفیاء کے چاروں سلسلوں کے پیروں کو کافر گردانا گیا ہے اور دیوبندیوں کو بھی۔ دیوبندیوں نے اپنی باری میں بریلویوں کو کافر قرار دیا ہے اور بریلویوں نے اسی انداز میں بدلہ لیا ہے۔

نہ صرف یہ کہ مختلف فرقوں کے خلاف جن کی ایک بڑی تعداد ہے فتوے لگائے گئے ہیں بلکہ ان کی صفوں کے چیدہ چیدہ آدمیوں کو انفرادی طور پر بھی ملزم قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ حال کے سرکردہ قائدین مثلاً سر سید احمد خاں، جناح اور اقبال کے خلاف فتوے لگائے گئے ہیں اور کفر کے فتوے اسلام کے شروع کے خادموں کے خلاف بھی لگائے گئے جیسے امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ وغیرہ۔ اس کے بعد گواہ نے ایک مسلمان کے مسجد میں داخلے کے حق پر بحث کی۔ اپنی روائت کے مطابق اس نے اپنی شہادت کی بنیاد قرآن شریف کی تعلیمات پر رکھی۔

"۔۔۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے ان کو مناسب نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔۔۔" ($\frac{2}{114}$)

اس نے کہا کہ وہ تمام لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ایک مسجد میں داخل ہونے کا بنیادی حق رکھتے ہیں کلمہ گو مسلمان ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو کسی مسجد میں بلا روک ٹوک حاضر ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ صرف مشرکین ہی ہیں یعنی وہ جو اپنے آپ کو غیر مومن کہتے ہیں۔ اور اس لئے

کافر ہو گئے جنہوں نے مسجد میں داخل ہونے کا حق کھو دیا۔ لوگوں کو بالکل معمولی اور سطحی اعتراضات کی بنا پر مسجدوں میں داخلے سے روکا گیا۔ یہ قرآن مجید کی تعلیمات اور دینِ اسلام کے خلاف ہے۔ ہر ایک مسلمان قطع نظر اس کے کہ اس کا فرقہ یا مذہب کیا ہے مسجد میں داخل ہونے اور عبادت کرنے کا حق رکھتا ہے بعض ہندوستانی مقدموں سے اس نظریے کی حمایت ہوتی ہے۔

دیکھو ملکہ معظمہ بنام رمضان و دیگران ILR 7A II 462 (1885)

عطا اللہ بنام عظیم اللہ (1889) 12 ILR 494

خالق احمد بنام اسرافیل 68 1917 Indian Cases AIR (1955) Allahabad 68

عطا اللہ کے مقدمے میں (504 صفحے پر) جسٹس محمود نے لکھا ہے۔

"جب تک کوئی مسجد اپنی مسجد کی حیثیت میں موجود ہے اور جب تک مدعیان اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور عبادت کا حق جتاتے ہیں کسی کو یہ کہنے کا اختیار نہیں ہے کہ کوئی فرقہ یا جماعت یا قوم کا کوئی حصہ دوسروں کو جو اس حق کے دعویدار ہیں اس حق کے استعمال سے روک دے جو اسلامی شریعت کی زبان میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے انہیں عطا کئے ہیں"۔

اسی مقدمے میں چیف جسٹس ایج نے لکھا:-

"ہمارے سامنے کوئی ایسی سند نہیں رکھی گئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ ایک مسجد جو خدا کے نام پر وقف ہے سنی مسلمانوں کے کسی فرقے یا سلسلے کے لئے مخصوص کی جا سکتی ہے یا وہ اسے اپنے لئے مخصوص کر سکتے ہیں اور اس امر کے لئے کسی نہایت مضبوط سند کی غیر موجودگی میں کم از کم میں تو نہیں سمجھتا کہ قانون کی نظروں میں ایسا مخصوص استحقاق ہو سکتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں مسجد جب ہی مسجد کہلا سکتی ہے جب یہ ایک ایسی عمارت ہو جو اللہ کے لئے وقف ہے نہ کہ ایک ایسی عمارت جو اللہ کے لئے مشروط طور پر وقف ہو کہ اسے خاص عقائد رکھنے والے مخصوص لوگ ہی استعمال کر سکیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں مسجد ایک ایسی جگہ ہے جہاں تمام مسلمانوں

کو جانے کا اور اپنی اپنی ضمیر کے مطابق عبادت کرنے کا حق حاصل ہے۔"

(اس فیصلے سے جج صاحبان سٹریٹ برو ڈہرسٹ اور ٹرل نے اتفاق کیا) ۔مزید ملاحظہ ہو ملا کی کتاب محمڈن لاء کے اصول (پاکستانی ایڈیشن 1980) صفحہ 222۔ اور فیضی کی کتاب محمڈن لاء کے خدوخال 319 اور اگلے صفحات ۔ (جنوبی افریقہ) کی "مسجد" جس دستاویز کے مطابق قائم کی گئی تھی وہ فرد انتقال مورخہ 11 فروری 1881ء ہے ۔ اس کی شرط نمبر 2 کے مطابق یہ "مسجد"۔

"ایسے تمام لوگوں کے آزادانہ استعمال کے لئے ہوگی جو مسلمانوں کا مذہب رکھتے ہیں"

اس میں شامل مقدمہ کے صفحہ 23 کی طرف اشارہ ہے ۔

جسٹس برمن کے روبرو اس امر پر اتفاق تھا کہ فرد انتقال کی رُو سے ایک باضابطہ طریق سے ایک وقف قائم ہوا ۔ اب یہ مسلمہ قانون ہے کہ جس مستفید کے فائدے کے لئے ضابطہ مقرر کیا گیا ہے اسے ایسے فائدے کے استحصال کا قانونی حق حاصل ہے ۔ (جج برمن کے ٹائپ شدہ فیصلے کے صفحہ 8 کے مطابق) اور یہاں مدعی نمبر 2 کو بحیثیت ایک ایسے انسان کے جو مسلمانوں کے دین کا اقرار کرتا ہے اس مسجد میں داخلے کا اس کے ساتھ دالبتہ حقوق اور مراعات کا حق حاصل ہے ۔

حافظ شبیر محمد کی شہادت کے مطابق وہ قبرستان وقف ہے یعنی مستقل طور پر دینی اغراض کے لئے مختص کر دیا گیا ہے ۔ بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے استعمال کے لئے ۔ یہ وقف مستقل ہے اسے توڑا نہیں جا سکتا ۔ اور اسے اللہ کی ملکیت تصور کیا جاتا ہے ۔ (فیضی محولہ بالا کتاب کے صفحات 281-280)

پس اسلامی شریعت کے اصولوں اور ہمارے عمومی قانون دونوں کے مطابق مدعی اس دادرسی کا حقدار ہے جس کا ذکر عرضی دعوے کے دعوے نمبر 3 میں موجود ہے ۔

مسلم قبرستانوں میں تدفین کے متعلق گواہ نے بتایا کہ ایسی املاک وقف کے ماتحت ہوتی ہیں اور مسلمانوں کی تدفین کے لئے مقرر اور مختص ہوتی ہیں ۔ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں تاہم یہ ظاہر ہے کہ ان کا نظم و نسق لوگوں ہی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے لیکن شریعت ان ناظموں کو یہ اختیار نہیں دیتی کہ مسلم قبرستان میں داخلہ روک دیں ۔ بالخصوص جس قبرستان کے متعلق مدعی نمبر 2 تدفین کے

حقوق کا خواستگار ہے۔ وہ حکومت کی طرف سے قبرستان کے متولیوں کو عطا کی گئی تھی جو مدعا علیہ نمبر 3 ہے :-

"اس شرط پر کہ جس اراضی کا عطیہ دیا جاتا ہے اسے مسلمانوں کے قبرستان کی جگہ کے طور پر استعمال کیا جائے گا ۔۔۔"

عطیہ کی دستاویز سے (جس پر دسمبر 1905ء میں دستخط ہوئے) ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عطیہ سرکاری اراضی کے عطیہ کے ایکٹ نمبر (7 1887/ 1895 کیپ) کی دفعہ 6 کے ماتحت دیا گیا تھا جس میں خصوصی امور عامہ کیلئے اراضی کے دیئے جانے کا ذکر ہے۔ اس عطیہ کے نتیجے میں یہ اراضی متولیوں کی تحویل میں بطور عوامی قبرستان دے دی گئی تا کہ بعض جماعتیں بشمول مسلمانان اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ملاحظہ ہو :-

In re Consistory of the Dutch Reformed Church, Cape Town (1897) 14 S.C. 5,9-10, and also Honore The South African Law of Trust (2nd ed.) PP. 36-37.

مسجد کی طرح قبرستان کے معاملہ میں بھی جب مدعی یہ ثابت کر دے کہ وہ مسلمان ہے تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو تمام مسلمانوں کو تدفین کے بارے میں حاصل ہیں ۔ یہ متولیوں کے اختیار میں نہیں کہ وہ ایک مسلمان کی تدفین سے انکار کر دیں ۔ دیکھیں نور بنام مسلم قبرستان بورڈ

1965 (4) SA 174 (C)

سیدھی بات یہ ہے کہ یہ مقدمہ مدعا علیہ نمبر 3 کے حق میں نہیں ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مدعی نمبر 2 کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے ۔ یہ صریحاً نامعقول ہے ۔ نہ صرف یہ اسلامی رسوم و رواج کے خلاف ہوگا بلکہ اصل عطیہ کے شرائط کے بھی خلاف ہوگا ۔

اب رہا ایک مسلمان کا غیر مسلم عدالت سے دینی معاملات کے بارے میں فیصلہ طلب کرنے کے حق کا سوال تو گواہ نے نبی کریمؐ کے اقوال اور ان کا تجزیہ پیش کیے۔ اس نے ایک فتوے کا بھی حوالہ دیا جو اپنی مسجدوں کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے فرض سے متعلق ہے ۔

فتوے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد کی حفاظت کیلئے تشدد کی طرف رجوع کرنا قابل قبول نہیں مسلمانوں کو غیر دینی حکام سے فیصلہ لینا چاہیئے ۔ اس نے دوسرے فتاویٰ کا بھی حوالہ دیا جن میں یہ کہا گیا تھا کہ غیر مسلم جج مسلمانوں کے معاملات کا تصفیہ کرسکتے ہیں ۔

گواہ نے نبی کریمؐ کی زندگی کے بعض واقعات کے حوالے دیئے جن میں حضورؐ نے فرمایا کہ جبرائیل فرشتہ میرے اوپر وحی لے کر آیا ہے کہ ایک خاص تنازعہ کے تصفیہ کے لئے ایک غیر مسلم جج مقرر کیا جائے ۔ نہ صرف یہ کہ غیر مسلم جج مقرر کیا گیا بلکہ نبی کریمؐ نے جج کا فیصلہ قبول فرمایا ۔

اس شہادت سے بالکل واضح ہوگیا کہ مسلمانوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ جس ملک میں رہتے ہوں وہاں کی حکومت کی بالادستی قبول کریں ۔ گواہ نے بتایا کہ باوجودیکہ احمدی مسلمان ہیں ان کے راستے میں مسلسل رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں ۔ اگر وہ اپنے آپ کو علیحدہ رکھیں تو ان پر اعتراض کیا جاتا ہے ۔ اگر وہ مسجدوں میں جائیں تو انہیں نکال دیا جاتا ہے ۔ ان کا تدفین کا حق انہیں نہیں دیا جاتا ۔ گواہ نے پھر پوچھا کہ وہ کیا کریں ؟ وہ صرف یہی کرسکتے ہیں کہ وہ بحیثیت شہری اور مسلمان ہونے کے اپنے حقوق دلائے جانے کے لئے غیر مذہبی حکام سے رجوع کریں ۔ اس نے کہا کہ فتوے عوام کو مشتعل کرنے کا باعث ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں حقوق سے محرومی ہوتی ہے ۔ اس نے عدالت سے اپیل کی کہ دیگر مسلمانوں کا رویہ کچھ بھی ہو یہ حقوق بحال کئے جائیں ۔

اپنی شہادت کے آخر میں گواہ نے دو اور امور کی طرف بھی اشارہ کیا ۔ پہلے کا تعلق حضرت مرزا غلام احمد کی وفات پر دیئے گئے مسلمان اکابرین کے تعزیتی پیغامات اور خراج ہائے عقیدت سے ہے شہادت کے اس پہلو پر یہاں زیادہ تفصیل سے بحث نہیں کی گئی سوائے اس کے کہ اس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ مرزا صاحب اپنی زندگی کے دوران ۔ وفات کے وقت اور اس کے بعد بڑی قدر ومنزلت سے دیکھے گئے ۔ یہاں صرف ایک حوالے کے ایک مختصر حصے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جس میں بانی سلسلہ کے متعلق ان باتوں کا لب لباب پایا جاتا ہے ۔

"وہ بے شک مرحوم اسلام کا ایک بہت بڑا پہلوان ہے ۔" (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جون 1908ء)

دوسرا امر احمدیہ انجمن لاہور کو مسلمان اکابرین کی طرف سے دیئے گئے خراج ہائے عقیدت سے تھا یہاں بھی شہادت کا زیادہ تفصیلی جائزہ نہیں لیا گیا اور ابو الاعلیٰ مودودی صاحب (احمدیوں کے مخالف) کے ایک خط کے ایک چھوٹے سے حصے کے حوالے پر اکتفا کی گئی ہے۔

"مگر احمدی گروہ کا شمار فرقِ اسلامیہ میں ہے۔" (خط غیر مطبوعہ مؤرخہ 23 محرم 1357ھ)

شہادت ختم کرتے ہوئے گواہ نے کہا کہ دراصل جو لوگ مرزا صاحب کی مخالفت کر رہے ہیں وہ انہیں نہیں جانتے اور نہ انہوں نے ان کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔

میرے اندازے کے مطابق گواہ اعلیٰ درجے کے علم اور دیانت کا حامل ہے۔ اس نے میرے روبرو تقریباً چھ دن شہادت دی اور نہایت عمدہ تاثر قائم کیا۔ میں اس کی شہادت بلا حیل وحجت تسلیم کرتا ہوں۔

پھر مدعی نمبر 2 اسمٰعیل پیک نے شہادت دی۔ نظر آتا ہے کہ وہ ایک منکسر المزاج اور مخلص انسان ہے وہ 1928ء میں کیپ ٹاؤن میں ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوا۔ ایک کٹر سنّی گھرانے میں پرورش پائی۔ اس کے والدین باعمل مسلمان تھے اور وہ خود بھی دین اسلام کے تمام طور طریقوں اور ضروریات کا پابند تھا۔ کلمہ کا معتقد۔ اسلام کے بانی چاروں ارکان پر ایمان رکھنے والا اور ختم نبوت پر اس نے کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا یعنی یہ کہ نبوت رسولِ کریمؐ پر ختم ہوگئی۔ 1957ء کے لگ بھگ وہ احمدیہ تحریک میں شامل ہوا اور اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ تقریباً 1965ء تک وہ برابر ایسا ہی سمجھا جاتا رہا جب کہ اسے ایک مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ اس نے اس خواہش کا جو تمام دوسرے مسلمانوں کی مشترکہ خواہش ہے اظہار کیا ہے کہ لونگ اور ڈورپ سٹریٹس کے کونے والی مسجد سمیت ہر مسجد میں بغیر کسی مزاحمت کے داخلے کی اجازت ملے۔ اس نے کہا کہ یہ خواہش صرف اسلئے پیدا ہوئی ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اسی طرح مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کی یہ بھی خواہش ہے کہ اسے کسی اسلامی قبرستان میں دفن کیا جائے۔ خاص طور پر والی گیکرال قبرستان میں کیونکہ وہاں اس کے والد اور بھائی مدفون ہیں۔

اس نے بتایا کہ مئی 1982ء میں (احمدیہ) تحریک نے ایک اسلامک سنٹر کے لئے رقم مہیا

کرنے کی خاطر ولیفر آ گنائزیشن نمبر حاصل کرنے کے لئے درخواست دی۔ اس پر شیخ صاحبان نے سُنّی مسلمانوں کو احمدیہ تحریک کے خلاف کسایا۔ وہ پمفلٹ (جن کی نقول شامل مثل کر دی گئی ہیں) چھپوائے گئے اور مسلم قوم میں تقسیم کئے گئے۔ اس نے کہا کہ اس کارروائی سے وہ بڑا پریشان اور رنجیدہ ہوا۔ اس کے اپنے الفاظ ہیں :-

"......... میری دُنیا ختم ہو گئی ...."

اس نے کچھ ذاتی واقعات کا بھی ذکر کیا جن کا تعلق اس کی والدہ کی وفات سے اور دوسرے مسلمانوں کے سامنے اس کے تعلقات سے تھا اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ مدعا علیہم کے رویے سے اُسے گہری چوٹ پہنچی ہے۔ اس نے مزید کہا کہ اسے جان کے خطرے کی دھمکی بھی دی گئی۔ ان وجوہات کی بنا پر اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی متبادل راستہ نہیں رہا کہ وہ عدالت سے رجوع کرے۔ وہ بالکل سچا معلوم ہوتا تھا میں اس کی شہادت تسلیم کرتا ہوں۔

جن اہانت آمیز الزامات کی شکایت کی گئی ہے وہ یہ ہیں :- تمام احمدی غیر مسلم ہیں مرتد ہیں کافر ہیں۔ وہ حضرت محمد صلعم کی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ وہ کافر ہیں اس لئے انہیں کسی اسلامی قبرستان میں ان کے مردے دفنانے کا حق نہیں دینا چاہیئے۔ احمدیوں سے تمام کاروباری اور سماجی تعلقات (بشمولیت شادیاں) ممنوع ہیں۔ اور تمام مسلمانوں کو دعوت کہ وہ احمدیوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور اسلام کی حفاظت کریں۔ (ملاحظہ ہو مثل مقدمہ کے صفحات 5، 6، 122، 123، 128-125) اشاعت سے انکار نہیں کیا گیا۔ (مثل مقدمہ صفحہ 488)۔ مدعا علیہ 1 انکار کرتا ہے کہ یہ اعلانات توہین آمیز ہیں بلکہ وہ ان کے مبنی برصداقت ہونے کے متعلق پرخلوص یقین رکھنے کے دعویدار ہے اور ان کی اشاعت کرنا اپنا حق اور فرض سمجھتا ہے یعنی ایک محدود استحقاق qualified privilege اس کا بارِ ثبوت مدعا علیہ نمبر 1 پر ہے۔ اس نے اس ضمن میں کوئی شہادت پیش نہیں کی۔

کسی مسلمان کو غیر مسلم اور مرتد کہنا بدترین ممکنہ اہانت ہے۔ اس کی تصدیق ماہر گواہ نے کی ہے اور مدعی نمبر 2 نے خود عدالت کو بتلایا ہے کہ اسے اس سے کتنی اذیت پہنچی ہے۔ دیکھیں لیوی

بنام مولٹکے 1934 EDL 296, 324 et seg.

مدعی نمبر 2 احمدی ہے۔ ایک ایسی چھوٹی سی جماعت کا فرد جس کے ارکان کی تعداد بشمول مرد و زن و بچگان اس ملک میں دو سو کے لگ بھگ ہے۔ وہ صاف طور پر توہین کی زد میں آیا ہے اور اسے اس عدالت سے اس معاملے میں رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو :-

SA Associated Newspapers Ltd. & Ano V Estate Pelser 1975 (4) SA 787 (AD); Knupfer V London Express Newspaper Ltd (1944) I AII ER 495 (HC) 497-8; Levy v Von Moltke 1934 EDL 296, 315, and also Gatley on Libel and Slander (6th ed.), p.141, Note 30

مدعی نمبر 2 ہرجانہ نہیں مانگتا۔ صرف ایسے اہانت آمیز مواد کی مسلسل اشاعت کے خلاف حکمنامہ چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کا مستحق ہے۔ حاصل کلام یہ کہ مدعی نمبر 2 نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ان تمام حکمناموں کا مستحق ہے جن کی اس نے استدعا کی ہے۔

اب میں اخراجات کے معاملے کی طرف آتا ہوں۔ اس کاروائی کے آغاز پر ہی پیشتر اس کے کہ مسٹر ڈیسائی اور اس کے موکلین مقدمے سے دستبردار ہوئے مدعی نمبر 2 کے وکیلوں مسٹر کنگ اور مسٹر پریسٹ نے مدعا علیہم کو باقاعدہ متنبہ کر دیا تھا کہ اٹارنی اور موکل کے خرچے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ یہ کہا گیا ہے کہ مدعا علیہم نے عدالتی کاروائی سے دستبردار ہونے کے فیصلے سے عدالت اور مدعی نمبر 2 کو اطلاع نہ دے کر نامعقول اور تکلیف دہ رویہ اختیار کیا ہے۔ مدعی نمبر 2 کے وکیل مسٹر خان نے مدعا علیہم سے اپنے رابطے کی شہادت دی۔ میں اسے قبول کرتا ہوں۔ مجھے اطمینان ہے کہ وکلاء کے درمیان تبادلہ خیالات اور خط و کتابت کے پیش نظر یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ دستبرداری کا فیصلہ کچھ عرصہ پہلے کیا گیا تھا لیکن بعض وجوہات کی بنا پر جو مدعا علیہم بہتر جانتے ہیں اسے عدالت میں اعلان کرنے کے وقت سے پہلے تک پوشیدہ رکھا گیا۔ مدعا علیہم کے وکلاء کا خط مؤرخہ

21 / اکتوبر 1985ء (ایگزیبیٹ 24) میری رائے میں جان بوجھ کر گمراہ کرنے والی دستاویز ہے جس جوش وخروش سے مدعا علیہم اس مقدمہ کی جوابدہی کے لئے اتنا لمبا عرصہ سرگرم نظر آتے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ان کے دل میں کیا بات ہے۔ نہ تو عدالت کو اور نہ ہی مدعی نمبر 2 کو بتایا گیا کہ دستبردار ہونے کا فیصلہ کب کیا گیا۔ البتہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ غالباً یہ فیصلہ 21 / اکتوبر والے خط کے لکھے جانے سے پہلے کیا گیا تھا۔

اب یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بلاشبہ مدعی نمبر 2 کو خواہ مخواہ بہت سا مزید خرچہ ایک ایسے مقدمے کی تیاری کے لئے برداشت کرنا پڑا جو صریحاً ایک طویل اور پیچیدہ مقدمہ ہونا تھا۔ میں مدعا علیہم کے اس رویے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں اور میری رائے میں انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ان حالات میں میں انہیں حکم دوں کہ وہ سارے مقدمے کا خرچہ وکیل اور موکل کے حساب سے ادا کریں۔

میں نے اس بات پر غور کیا ہے کہ آیا وکیل اور موکل کے حساب سے خرچہ کسی خاص تاریخ سے دیا جائے لیکن میں نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ مدعا علیہم نے اسے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ بتائیں کہ انہوں نے یہ فیصلہ اگر یہ واقعی ضمیر کی آواز تھی بہت پہلے کر کے کیوں اطلاع نہیں دی۔ آخر سمن کی تعمیل تو تین سال سے زیادہ عرصہ پہلے اکتوبر 1982ء میں کرائی گئی تھی۔ مسٹر خان نے اخراجات کے بعض دوسرے پہلوؤں پر بھی شہادت دی جس نے ماہرین اور مترجم کے سمندر پار سے بلائے جانے کی موزونیت پر مجھے مطمئن کر دیا ہے۔ بالآخر میں ذیل کا حکم دیتا ہوں :۔

1۔ تینوں مدعا علیہم کے خلاف :۔ مدعی نمبر 2 مسلمان ہے اور اس لئے ان جملہ حقوق و مراعات کا حق رکھتا ہے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔

2۔ مدعا علیہ نمبر 1 کے خلاف :۔ مدعا علیہ نمبر 1 کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور جنوبی افریقہ کے ارکین بشمول مدعی نمبر 2 کے خلاف جھوٹا۔ نقصان دہ۔ اذیت رساں اور توہین آمیز مواد کے پھیلانے۔ شائع کرنے اور کسی اور طریق سے تشہیر کرنے سے روکا جاتا ہے یعنی یہ کہ یہ ممبران غیر مسلم۔ غیر مومن۔ کافر مرتد ہیں اور وہ حضرت محمد صلعم کی ختم نبوت کے منکر ہیں اور کہ وہ کافر

ہیں ۔ اور اس لئے انہیں مسجدوں اور مسلم قبرستانوں میں داخلہ نہیں دینا چاہیئے اور کہ احمدیوں سے رشتے ناطے مسلم شریعت میں منع ہیں ۔

3 ۔ مدعا علیہ نمبر 2 کے خلاف :۔ مدعی نمبر 2 کو کیپ ٹاؤن میں لونگ اور ڈورپ سٹریٹس کے کونے پر واقع ملائی مسجد میں جو انتقال کی دستاویز مورخہ 11 فروری 1881ء کے ماتحت قائم ہوئی آنے جانے کا حق حاصل ہے اور ان تمام حقوق اور مراعات کا بھی جو عام مسلمانوں کے متعلق اس میں درج ہیں ۔

4 ۔ مدعا علیہ نمبر 3 کے خلاف :۔ انتقال نامہ نمبر 3 مورخہ 18 دسمبر 1908ء کے ماتحت قائم کردہ وائی گیگرال قبرستان کے ملائی حصہ میں مدعی نمبر 2 کو تدفین کے لئے وہی حقوق حاصل ہیں جو تمام مسلمانوں کو ہیں ۔

5 ۔ تینوں مدعا علیہم کے خلاف :۔ وکیل اور موکل کے حساب سے مقدمہ کے اخراجات اور ان میں مندرجہ ذیل بھی شامل ہوں گے ۔

(i) 23 فروری 1984ء کی سماعت کے اخراجات

(ii) یکم نومبر 1984ء کو ہونے والے مقدمہ کے التواء کی وجہ سے مقدمہ کے ضیاع کا ہرجانہ ۔

(iii) دو وکیلوں کا خرچہ

(iv) مندرجہ ذیل ماہر گواہوں کے موزوں اخراجات qualifying expenses

حافظ شیر محمد

ولیم جی ہل ورڈ

تاج مارگی

ایمن الیاسینی

(v) مندرجہ ذیل ماہر گواہوں کے اخراجات آمد و رفت بشرطیکہ ٹیکسنگ ماسٹر Taxing Master کو مناسب ثبوت مہیا کیا جائے ۔

حافظ شیر محمد

ولیم جی مل ورڈ

امین الیاسینی

(vi) ڈاکٹر زاہد عزیز کی فیس اور اخراجات مع سفر خرچ۔

ولیم سن جج